(۳) اسلام عہدِ حاضر میں

اسلام تو ازل سے ہے اور ابد تک رہے گا (انّ الدّین عند اللہ الاسلام) اور اس کے ہمہ گیر دائرہ سے کائنات میں کسی کے نکلنے کا امکان ہی نہیں ہے چاہے کوئی اختیاری طور پر اس کے قبول کرنے پر تیار نہ ہو، تب بھی اضطراری طور پر اس کی پابندی کرنا ہے (ولہ من فی السموٰت والارض طوعاو کرھا) لیکن وہ محرکات جو ارادی طور پر دین اسلام کو قبول کرنے کے متقاضی ہوں مختلف ادوار میں کم اور زیادہ ہو سکتے ہیں اور اسی اعتبار سے کسی عہد کے متعلق خصوصیت سے غور کیا جا سکتا ہے کہ اس میں قبول اسلام کے لیے فضا کی کیفیت کیا ہے؟

اس اعتبار سے جب دیکھا جاتا ہے تو یہ محسوس ہوتا ہے کہ عہد حاضر سے زیادہ کبھی بھی اسلام کے لیے مناسب فضا نہ تھی اور عہد حاضر اپنے خصوصیات..... میں جتنی ترقی کرتا جائے گا اتنی اسلام کے لیے فضا زیادہ ساز گار ہوتی جائے گی اور دنیا شعوری طور پر نہ سہی تو لاشعوری طور پر اسلام سے زیادہ قریب آتی جائے گی۔ اس کے لیے مختصر طور پر چند پہلو پیش کیے جاتے ہیں۔

(۱)

وہ اور مذاہب ہوں گے جنھوں نے عقل کے دروازے بند کیے ہیں اور تعقل و تفکّر سے خطرہ محسوس کیا ہے۔ اسلام نے ہمیشہ صاحبانِ عقل کو مخاطب کیا ہے اور تعقل و تفکّر سے کام لینے کی دعوت دی ہے، اس لیے دنیا کا تعقل و تفکّر کی طرف مائل ہونا جو موجودہ دور کی خصوصیت ہے، اسلام کی حقانیت کے ثبوت کے لیے فال نیک ہے اور جتنی جتنی دنیا غور و فکر سے زیادہ کام لینے پر آمادہ ہو گی اتنی ہی حقائق اسلامیہ سے قریب آئے گی۔

(۲)

اسلامی تعلیمات عقل عمومی اور حاسۂ اجتماعی اور فطرت کے تقاضوں سے انتہائی ہم آہنگ ہیں

جو چیزیں اسلام کی راہ میں رکاوٹ بنتی ہیں وہ روایات قدیمہ کی پابندیاں، تقلید آباء اور موجودہ مذاہب کے رسوم کی زنجیریں ہیں۔

موجودہ دنیا کا لامذہبی کا رجحان اور قدیم رسوم سے بغاوت کا جذبہ جتنا ترقی کرے گا اتنی وہ عقل وفطرت کے سچے فیصلوں کے قبول کرنے پر تیار ہوگی۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ لامذہبیت اس مذہب کے لیے زمیں ہموار کرتی ہے جو عقل وضمیر کی تشنگی کو صحیح معنی میں بجھائے اور یوں سمجھنا چاہیئے کہ اس خرابی میں تعمیر کی صورت پنہاں ہے اور یہ برق خرمن باطل کو نیست ونابود کرنے کے ساتھ دین حق کے لیے آشیانہ سازی کا کام انجام دے سکتی ہے۔

(۳)

غالبؔ نے جس نفسیاتی اور طبعی حقیقت کا اظہار کیا ہے کہ:۔

''درد کا حد سے گزرنا ہے دوا ہو جانا''

اس کے مطابق موجودہ دور کی سائنسی ترقیوں نے الحاد کے ساتھ مل کر جو تباہ کاری پیدا کی ہے اس نے انسانی قلب وضمیر کو بہت بے اطمینان بنا دیا ہے اور یہ بے اطمینانی اپنی انتہائی حدوں تک جا کر انسان کی کشتی ذہن کو ایک ساحل اطمینان کی تلاش پر مجبور کر رہی ہے اور یہ اطمینان اسے صحیح معنی میں اسی خداشناسی میں مل سکتا ہے، جس کے لیے قرآن نے ارشاد کیا ہے۔

الا بذکر اللہ تطمئن القلوب.

اللہ کی یاد ہی سے بے قرار دلوں کو سکون واطمینان کی دولت نصیب ہوتی ہے۔

(۴)

اسلام کا سب سے بڑا حریف اس آخری دور میں جو میدان میں آیا تھا وہ کمیونزم تھا مگر اسٹالن

کے بعد سے اس میں جو اختلاف وانتشار پیدا ہوا ہے اس نے اسے مادی حیثیت سے چاہے ابھی زیادہ کمزور نہ کیا ہو مگر اعتقادی وعملی میدان میں اسے شکست فاش دے دی ہے اس لیے کہ جن باتوں کا التزام مذہب کے خلاف عائد کر کے لوگوں کو اس سے منحرف کیا جاتا تھا وہی سب باتیں خود کمیونزم میں یکے سامنے آ گئی ہیں۔ یہاں تک کہ اب اس کے اندر بھی فرقے پیدا ہو گئے جن کا اختلاف طشت از بام ہے۔ جس طرح اہل مذاہب بنامِ مذہب آپس میں لڑتے تھے اسی طرح یہ فرقے کمیونزم کے نام پر آپس میں جنگ کر رہے ہیں۔ اس طرح جب کہ اسلام کے سب سے بڑے حریف کا جو اس دور میں تھا تنزل شروع ہو گیا تو لازمی طور پر اس سے اسلام کے از سر نو ارتقاء کے لیے فضاء ساز گار ہو رہی ہے اور کوئی وجہ نہیں کہ آخر میں وہ اپنے سب سے آخری حریف کو مکمل شکست دے کر پوری قوت حاصل نہ کرے اور اس کے بعد امکانِ قریب ہے کہ آخر میں تمام عالم پر چھا جائے جس کی خبریں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم متواتر احادیث میں دے چکے ہیں۔

(۵)

اسلامی تعلیمات کا فطرت سے بہت قریب ہونا۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ دنیا آزاد فکر سے کام لے کر شعوری یا لاشعوری طور پر بنام ''اصلاحات'' یا ''ترقیات'' شریعت اسلامی کے احکام کو قبول کر رہی ہے۔ مثلاً جہاں عقد بیوگان نہ تھا۔ وہاں عقد بیوگان کی ترویج کی کوشش ہوتی ہے جہاں لڑکیوں کا میراث میں حصہ نہ تھا۔ وہاں لڑکیوں کو میراث میں ترکہ ملنے کا قانون بنتا ہے جہاں شادی کے بعد طلاق کا حق نہ تھا وہاں قانون طلاق کا نفاذ ہوتا ہے۔ جنگ کا نام ''دفاع'' ہو گیا جو بالکل قرآنی اصطلاح کے مطابق ہے، ذات پات کی تقسیم کے غلط ہونے کا احساس سب کو ہے۔ کالے اور گورے کی تفریق کے حقوق انسانی میں باطل ہونے پر تمام متمدن دنیا متفق ہو گئی ہے۔ یہ اور بات ہے کہ ان چیزوں کے عملی طور پر نفاذ میں دشواریاں پیش آ رہی ہوں مگر نظری طور پر اسلامی تصورات کے سامنے دنیا سر تسلیم خم کر چکی ہے۔ رفتہ رفتہ وہ منزل بھی آ جائیگی کہ رکاوٹیں ختم ہوں اور

یہ باتیں عملی طور پر بھی نفاذ پذیر ہو جائیں۔

(۶)

دنیا جس چیز کے لیے اس وقت سب سے زیادہ بے تاب ہے وہ اخوت اور مساوات ہے اور اخوت و مساوات کا جتنا مکمل درس قرآن نے دیا ہے وہ دنیا کے کسی قانون اور نظام میں نہیں ملتا۔ اس لیے بھی دنیا اسلامی نظام کو قبول کرنے کے لیے کسی نہ کسی مرحلہ پر مجبور ہے۔

(۷)

دولت کی تقسیم کے بارے میں سرمایہ داری کے خراب نتائج کے رد عمل میں دنیا نے اشتراکیت کو قبول کیا جو کہ اس راہ میں افراط کا نقطہ ہے۔ اب اس افراط کے خراب نتائج کا مشاہدہ کر کے اس نے قدم پیچھے ہٹانا شروع کر دیئے ہیں۔ چنانچہ روس وغیرہ میں محدود درجہ تک انفرادی ملکیت اور شخص جائداد کے حق کو تسلیم کر لیا گیا ہے۔ اس طرح تفریط اور افراط کے دونوں نقطوں کے تجربہ کے بعد اس اعتدال ہی کی منزل رہ جاتی ہے جس کا اسلام علمبردار ہے۔

(۸)

سرمایہ داری اور اشتراکیت کا آپس کا ٹکراؤ جس میں ایک جانب امریکہ کی طاقت ہے اور دوسری طرف روس اور چین۔ اور دونوں ہی طرف قہار طاقتیں ہیں جو ترقی کی دوڑ میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش میں مصروف ہیں۔ اس ٹکراؤ کے نتیجہ میں ان کے درمیان ایک سرد جنگ بھی ہے اور وہ یہ کہ ہر ایک اپنے کو زیادہ سے زیادہ معتدل ثابت کر کے باقی غیر جانبدار دنیا میں مقبولیت حاصل کرنے کی کوشش کر رہا ہے اور کرتا رہے گا۔ اسی طرح ہر ایک کو لازم ہوگا کہ جو سرمایہ دار ہے، وہ زیادہ سے زیادہ ان خرابیوں کی اصلاح کرے جو سرمایہ داری کے ساتھ وابستہ ہیں اور جو اشتراکیت کا علمبردار ہے وہ زیادہ سے زیادہ ان کمیوں کو دور کرے جو اشتراکیت کی انتہاء کا نتیجہ ہیں اور ان دونوں کے پیچھے ہٹتے ہوئے قدم دونوں ہی کو اس مشترک منزل پر گلے ملنے میں مدد

دے رہے ہیں جو اسلام سے انہیں قریب سے قریب تر کر سکتی ہے۔

(۹)

مادّی نقطۂ نظر انسانی سفر کا آغاز دورِ وحشت سے بتاتا ہے جہاں ہر فرد کی دنیا الگ ہوتی ہے۔ پھر اجتماعی زندگی کا احساس پیدا ہوا تو گھر بنے اور گھروں سے مل کر گھرانے بنے اور گھرانوں سے مل مل کر قبیلے بنے اور قبیلے متحد ہو کر ملک بنے اور کئی کئی ملکوں کو ملا کر شہنشاہیتیں قائم ہوئیں۔ اس طرح رفتار ارتقاء انسانی کی صاف اس سمت کا پتہ دے رہی ہے کہ کثرتیں مٹ مٹ کر وحدتوں میں تبدیل ہوں، اب موجودہ دور میں رفتار ترقی یہاں تک پہونچی ہے کہ تمام دنیا دو ۲ نقطوں پر بٹ گئی ہے، مشرق اور مغرب۔ اب مسائل پر یوں غور ہوتا ہے کہ کون چیز ایشیاء کے لئے زیادہ مفید ہے اور کون یورپ کے لیے؟ اب اس کے بعد کا قدم صرف یہ ہو سکتا ہے کہ یہ دونوں مل کر ایک ہو جائیں جس کے لیے قرآن نے پہلے ہی دن یہ کہا تھا کہ للہ المشرق والمغرب۔ یہ مشرق و مغرب کا اختلاف کیسا۔! مشرق اور مغرب دونوں اللہ کے ہیں۔ اس طرح ارتقائے انسانی کا آخری نقطہ جس تک اب بلا فاصلہ دنیا جا سکتی ہے۔ وہ یہی ہے کہ خدا کی وحدت کے رشتہ سے تمام دنیا آپس میں یگانگی محسوس کرے اور وہ دن ہو سکتا ہے کہ جب لیظھرہ علی الدین کلہ کا قرآنی وعدہ پورا ہو اور تمام دنیا قاف سے تا قاف اسلامی پرچم کے نیچے متحد نظر آ رہی ہو۔

(۱۰)

سب سے آخر میں رہنمایانِ اسلام کی زندگیوں کی پاکیزگی اور بلندی ہے۔ حضرت پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق و تعلیمات، حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی زندگی اور بالخصوص دور خلافت کی سادگی اور مساوات پسندی اور انسانیت پروری۔ حضرت سید الشہداء امام حسین علیہ السلام کی بے نظیر قربانی اور دیگر ائمہ طاہرین علیہم السلام اور ان تمام حضرات کے سچے پیروں کی زندگی کے نمونے۔ ان سب کو مذہبی اصطلاحات کا بوجھ ڈالے بغیر جو دوسرے افراد کو اجنبیت محسوس کرنے کا

باعث ہوتے ہیں اور معجزات وغیرہ کے تذکرہ سے الگ کر کے جو موجودہ ذہن کو غور و فکر کے جادہ سے ہٹا دیتا ہے صرف اخلاقی اور انسانی نقطۂ نظر سے اگر پیش کیا جائے اور یہ کام بحمد اللہ کچھ اللہ کے بندوں کے ہاتھ سے شروع ہوگیا ہے اور عادات و رسوم کی زلف گرہ گیر کے اسیر اس کی کتنی ہی مخالفت کریں لیکن دنیائے حاضر کے تقاضوں کے لحاظ سے اس کے بحیثیت نتیجہ اصلح ہونے کی وجہ سے یہ کام آگے بڑھتا ہی جائے گا قدم پیچھے ہٹنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

دنیا کے موجودہ ترقی یافتہ ذرائع نشر و اشاعت سے پورا پورا فائدہ اٹھا کر جتنا اس کام کو آگے بڑھایا جائے گا ان اخلاقی تعلیمات اور سیرت کے بے نظیر مرقعوں کی جاذبیت دنیا کو اس مرکز کی طرف کشاں کشاں لانے کی باعث ہے اور آخر میں اس اسلام حقیقی پر دنیا کو مجتمع ہونا ہے جس کی یہ ہستیاں عملی مجسمہ تھیں۔

....

تلک عشرۃ کاملہ. سر دست یہ دس پہلو مجملاً پیش کر دیے گئے ہیں جنھیں اگر پھیلا کر لکھا جائے تو اس موضوع پر کافی ضخیم کتاب تیار ہو سکتی ہے۔

(والسّلام)

❁❁❁

اسلام کی فکر حاضر میں موزونیت

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اس موضوع پر روشنی ڈالنے کے لیے پہلے یہ سمجھنے کی ضرورت ہے کہ فکر حاضر کے خصوصیات کیا ہیں؟ اس کے بعد اسلامی تعلیمات کے حوالہ سے یہ دیکھا جا سکتا ہے کہ اس "فکر حاضر" کے ساتھ کتنی موزونیت ہے۔

یہ یاد رکھنا چاہیے کہ ہمارے موضوع میں "فکر حاضر" کو مرکز نظر بتایا گیا ہے، دورِ حاضر کا عمل نہیں کیونکہ بہت ممکن ہے کہ کسی فرد یا جماعت کا خود عمل اس کی فکر سے مطابقت نہ رکھتا ہو۔ اس صورت میں وہ عمل اہمیت نہیں رکھتا اس لیے کہ وہ اکثر خارجی دباؤ کا تقاضا ہوتا ہے یا جذبات نفس کا تقاضا جو داخلی دباؤ کی حیثیت رکھتا ہے لیکن فکر دماغ کے فیصلے یا ضمیر کے تقاضے کا نام ہے جو اکثر بے لوث ہوتا ہے اس لئے کہ وہ مستند ہے بلکہ وہ اس شخص یا جماعت کے فعل کے خلاف سند بنتا ہے مثلاً ایک چور بھی چوری کو اچھی بات نہیں سمجھتا۔ اسی طرح جھوٹا جھوٹ کو اسی طرح دغاباز دغابازی کو۔ ورنہ چور یا جھوٹا یا دغاباز کہے جانے سے برا نہ مانے۔ اب یہاں چوری یا جھوٹ یا دغابازی، وہ تو اس کا عمل ہے اور یہ چور یا جھوٹے یا دغاباز کے عنوان کو برا سمجھنا اس کی بے لوث فکر ہے جسے ہم ضمیر کا فیصلہ کہہ سکتے ہیں۔ ایک بڑی وقیع شخصیت کی زبان میں یہ اس کے اندر کی آواز خود وہ ایک عدالت ہے جس کے کٹہرے میں وہ مجرم کی صورت میں کھڑا ہوتا ہے۔

تو بس اس سے سمجھ لیجئے کہ ہمیں دنیا کے "عملِ حاضر" سے اس وقت بحث نہیں ہے بلکہ "فکرِ حاضر" سے بحث ہے اور اس کے اعتبار سے اسلام کی موزونیت پر نظر ڈالنا ہے۔

اس کے لیے پہلے ہمیں "فکرِ حاضر" کی امتیازی خصوصیت یا کچھ خصوصیات کو دیکھنا ہوگا۔ پھر اس کے سلسلہ میں اسلام کے بنیادی اصول اور تعلیمات پر مجمل طور سے نظر ڈالی جائے گی کیونکہ تفصیل کے لئے یہ وقت اور موقع موزوں نہیں ہے۔

''فکرِ حاضر'' کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ دنیا ''تقلیدِ سلف'' کے پھندے سے آزاد ہو رہی ہے۔ روایاتِ قدیم کی اندھا دھند پیروی کرنے کے لیے وہ تیار نہیں ہے بلکہ آزاد نظر کے ساتھ دیکھنے اور آزاد دماغ کے ساتھ سوچنے کا رجحان رکھتی ہے۔ ممکن ہے کہ عملی طور سے اس سلسلہ میں کچھ قدم حدِ اعتدال کے خلاف اٹھیں۔ یا جدّت پسندی حدودِ افراط کی سرحد تک پہنچ جائے یا تقلیدِ سلف کے غلط جذبہ کے ردعمل میں تبدیلی کا ذوق صرف شوق کی حیثیت اختیار کرے جس میں معقولیت کا کوئی دخل نہ ہو مگر یہ میں پہلے کہہ چکا کہ ہم کو عمل کے صحیح یا غلط ہونے سے بحث نہیں ہے بلکہ اصل فکر کی نوعیت سے بحث ہے تو اس میں کوئی شک نہیں کہ آباؤ اجداد کی کورانہ تقلید بہت حد تک تعقل و تفکر میں سدّ راہ ہوئی ہے اور ظاہر ہے کہ انسانی شرف چونکہ عقل و علم سے وابستہ ہے اس لیے یہ تقلید کورانہ کا جذبہ اور ذہنی غلامی انسانی شرافت کے منافی چیز ہے۔

اب اس حیثیت سے جب ہم دیکھتے ہیں تو اسلام وہ واحد مذہب نظر آتا ہے جس نے عقل و نظر کے دروازوں کو کھولا ہے، غور و فکر کی دعوت دی ہے اور آنکھ بند کرکے بزرگوں کے ڈھرّے پر چلے جانے کی سخت سے سخت الفاظ میں مذمّت کی ہے۔

وہ کبھی مجمل طور پر مختصر جملوں میں شرافت انسانی کو بار بار تازیانے لگاتا ہے کہ ''اَفَلَا یَعۡقِلُوۡن'' ''کیا یہ عقل سے کام نہیں لیں گے؟'' ''اَفَلَا یَتَفَکَّرُوۡن'' ''کیا یہ غور و فکر نہیں کریں گے؟'' ''اَفَلَا یَتَذَکَّرُوۡن'' ''کیا یہ سبق نہیں لیں گے؟''

اور کبھی کافی سخت لب و لہجہ میں یوں مذمت کرتا ہے کہ ''لَهُمۡ قُلُوۡبٌ لَّا یَفۡقَهُوۡنَ بِهَا وَلَهُمۡ اَعۡیُنٌ لَّا یُبۡصِرُوۡنَ بِهَا وَلَهُمۡ اٰذَانٌ لَّا یَسۡمَعُوۡنَ بِهَا اُولٰٓئِکَ کَالۡاَنۡعَامِ بَلۡ هُمۡ اَضَلُّ'' (اعراف:۱۷۹) ''ان کے پاس دل و دماغ ہیں جن سے وہ سوچتے نہیں۔ ان کے پاس آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھتے نہیں۔ ان کے پاس کان ہیں جن سے وہ سنتے نہیں۔ یہ مثل چوپایوں کے ہیں بلکہ ان سے بدتر ہیں۔

''بدتر'' اس لیے کہا گیا ہے کہ ان چوپایوں کے پاس عقل و فہم کی طاقت ہے ہی نہیں تو وہ اپنے اس نقص پر قابلِ ملامت نہیں ہیں اور یہ بدنصیب آدمی یہ سب طاقتیں رکھتے ہوئے ان سے کام

نہیں لیتے لہٰذا یہ مذمّت کے ساتھ موردِ ملامت بھی ہیں۔

پھر اس آزاد غور و فکر کے خلاف جو جذبہ کار فرما ہوتا ہے یعنی وہی تقلیدِ اسلاف، اس کی سخت الفاظ میں مذمت کی۔ اس طرح کہ پہلے نقلِ قول کے طور پر ان کا یہ استدلال پیش کیا کہ ''اِنَّا وَجَدۡنَاۤ اٰبَآءَنَا عَلٰۤی اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰۤی اٰثٰرِهِمۡ مُّقۡتَدُوۡنَ'' (زخرف:۲۳) ''ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک راستے پر چلتے دیکھا ہے اور ہم اسی راستے پر چلے جائیں گے۔'' پھر اس دلیل کی رکاکت پر یہ کہہ کے روشنی ڈالی کہ ''اَوَلَوۡ کَانَ اٰبَآؤُهُمۡ لَا یَعۡقِلُوۡنَ شَیۡئًا وَّلَا یَهۡتَدُوۡنَ'' (بقرہ:۱۷۰) ''کیا چاہے ان کے باپ دادا نے خود عقل سے کام نہ لیا ہو اور نہ صحیح راستا اختیار کیا ہو۔'' مطلب یہ ہے کہ انسانی شرف کا تقاضا یہ ہے کہ آدمی ہر چیز کو یوں پرکھے کہ وہ صحیح اور معقول ہے یا نہیں اور جو بات معقول ہو اسے اختیار کرے اور جو اس راستے پر نہ ہو چاہے وہ اپنے باپ دادا ہوں انھیں سمجھے کہ وہ غلط راستے پر تھے اور ہمیں اس راستے پر نہیں چلنا چاہیے۔

چونکہ موجودہ زمانہ کی فکر کا رجحان بھی یہ ہے اس لئے اسلام کی دعوت بالکل موجودہ فکر سے مطابقت رکھتی ہے۔

دوسری خصوصیت ''فکرِ حاضر'' کی مطالعۂ کائنات کا ذوق و شوق جو سائنس کی ترقیوں کا سرچشمہ ہے۔

اس کے لحاظ سے جب ہم دیکھتے ہیں تو قرآن نے اپنے اصول اساسی یعنی خدا کی معرفت کے لیے بار بار مطالعۂ کائنات ہی پر زور دیا ہے ارشاد ہوتا ہے:

''اَوَلَمۡ یَنۡظُرُوۡا فِیۡ مَلَکُوۡتِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنۡ شَیۡءٍ'' (اعراف:۱۸۵) ''کیا انھوں نے آسمان و زمین کی کائنات اور جو جو چیزیں اللہ نے پیدا کی ہیں ان پر غور نہیں کیا؟''

وہ چھوٹے بچوں اور عوام کے ذہن کی اس خصوصیت کے پیشِ نظر کہ وہ وسیع کلّیوں سے وہ اثر قبول نہیں کرتا جو جزئی مثالوں پر توجہ دلانے سے اثر قبول کرتا ہے۔ اس بارے میں تفصیل اور طولِ کلام سے کام لیتے ہوئے اس طرح بے خبر ذہن کو گویا شانہ ہلا ہلا کر جگایا ہے کہ:

"اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَاخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَالنَّهَارِ وَالۡفُلۡکِ الَّتِیۡ تَجۡرِیۡ فِی الۡبَحۡرِ بِمَا یَنۡفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنۡزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنۡ مَّآءٍ فَاَحۡیَا بِهِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِهَا وَبَثَّ فِیۡهَا مِنۡ کُلِّ دَآبَّةٍ وَّتَصۡرِیۡفِ الرِّیٰحِ وَالسَّحَابِ الۡمُسَخَّرِ بَیۡنَ السَّمَآءِ وَالۡاَرۡضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یَّعۡقِلُوۡنَ." (بقرہ:۱۶۴)

یقیناً آسمان وزمین کی تخلیق اور رات دن کے آنے جانے اوران جہازوں میں جو سمندر میں لوگوں کے فائدہ کی چیزیں لیے ہوئے رواں ہیں اور جو اللہ آسمان سے پانی برساتا ہے تو اس سے زمین کو اس کے مرنے کے بعد زندہ کردیتا ہے اور جو اس نے زمین میں ہر طرح کے چلنے پھرنے والے جانور پھیلائے ہیں اور ہواؤں کی گردش اور اس بادل میں جو آسمان وزمین کے ماتحت کسی کے قبضۂ قدرت میں اسیر رہتا ہے نشانیاں ہیں ان کے لیے جو عقل سے کام لیں۔

بے شک قرآن کا نصب العین اس مطالعۂ کائنات سے ضمنی طور پر وابستہ ہے کہ اسے اس ذریعہ سے ان کے پیدا کرنے والے یعنی خدا کی طرف ذہن کو لے جانا منظور ہے مگر دنیا کا وسیع سے وسیع پیمانہ پر اس مطالعہ میں مصروف ہوجانا جو اس دور کی خصوصیت ہے اسے اس مقصد سے جو قرآن کا نصب العین ہے بلاشبہ قریب کرنے کا ذریعہ ہے چنانچہ باخبر افراد محسوس کرتے ہیں کہ ایک زمانہ تھا کہ سائنس داں لوگ عموماً وجود خدا کے منکر ہوتے تھے مگر اب سائنس کی ترقی کے ساتھ ان میں وجود خدا کا عقیدہ بڑھتا جاتا ہے اور اس صورت میں کافی وجہ یہ سمجھنے کی ہے کہ جتنی سائنس اور زیادہ ترقی کرتی جائے گی اتنی اس منزل سے قریب آئے گی جس کے لیے قرآن نے مطالعۂ کائنات کی دعوت دی تھی۔

تیسری خصوصیت

موجودہ فکر کی تمدنی اور اجتماعی پہلوؤں میں حالات سے بے اطمینانی اور مختلف تہذیبی نظاموں کے تجربات میں مصروفیت ہے۔ سرمایہ داری کے خراب نتائج اور آثار کا آنکھوں کے سامنے آجانا۔ یہ افراط اور تفریط کے درمیان انسان کی دوڑ، ان تجربات کی ناکامی کے ساتھ فطری طور پر اس منزلِ اعتدال کے قریب لانے کا سبب ہے جسے اسلام پیش کرتا ہے۔ جہاں انسان کی

انفرادی جدو جہد کی قیمت بھی ختم نہیں ہوتی اور آدمی دولت کا پجاری بھی نہیں بنتا۔ جہاں کسبِ مال ممدوح مگر جمعِ مال مذموم ہے اور جہاں غریب کی امداد کے ساتھ امتنان کا تصور جرم اور ادائے فرض کے ساتھ رضائے خداوندی کی نیت شرطِ لازم ہے۔

یہ ہے اسلام کے اقتصادی نظام کی خصوصیت جس کی تفصیل مختصر وقت میں ناممکن ہے۔

چوتھی خصوصیت

موجودہ دور میں نوعِ انسانی کے افراد کے درمیان امتیازات کے دور کرنے کا رجحان اور اخوت ومساوات پیدا ہونے کی خواہش ہے اور اس اخوت ومساوات کا انتہائی مکمل درس اسلام نے دیا ہے۔ اس لیے دنیا کا موجودہ فکری رجحان اسے خواہ لاشعوری طور پر ہو اسلامی نظام سے قریب لا رہا ہے۔

❀❀❀